A Deconstructive Study of Urdu Short Story "Chothi ka Jorra"

اردو افسانہ ”چوتھی کا جوڑا“ کا ردِ تشکیلی مطالعہ

Dr.Ghulam Farida*[1]
Assistant Professor, Department of Urdu, IIU, Islamabad

[1]☆ڈاکٹر غلام فریدہ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

Correspondance: ghulam.farida@iiu.edu.pk

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 15-05-2025
Accepted:22-06-2025
Online:30-06-2025

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: Ismat Chughtai is a powerful female voice of 20th century Urdu fiction. Her stories not only provide social awareness to women but also encourage them to speak up for their rights."Chothi ka Jorra" is considered one of her best stories. The story shows how social customs and traditions can create sadness and pressure, especially for people who don't have enough money. It also shows the quiet pain of parents who want to give their children happiness but feel helpless. Through its emotional and simple storytelling, the story makes readers think about how society sometimes values tradition more than people's real feelings and needs. This paper will deconstruct the story, bring out its artistic contradictions, and attempt to present a new understanding of it.

KEYWORDS: Ismat Chughtai, 20th Century, Short Story, Chothi ka Jorra, Deconstruction

عصمت چغتائی اردو ادب میں خواتین کے حقوق کے حوالے سے پہلی جرات مندانہ آواز ہیں۔ وہ بیسویں صدی کی ایک بے باک اور حساس افسانہ نگار ہیں۔ ان کی تحریروں میں معاشرتی اقدار اور تہذیبی روایات سے بغاوت کا رویہ نظر آتا ہے۔ سماجی مسائل پر جرات مندانہ خیالات کی وجہ سے وہ ترقی پسندوں کے ہر اول دستے میں شمار ہوتی ہیں۔ تاہم انھوں نے ترقی پسندی کی عام روش سے ہٹ کر خارجی حقیقت پسندی کی بجائے داخلی کیفیات اور انسان کی جذباتی زندگی کو موضوع بنایا ہے۔ عصمت چغتائی کی کہانیوں میں نچلے متوسط طبقے کی نوجوان لڑکیوں کی نفسیاتی و جنسی الجھنوں کو پیش کیا گیا ہے۔ کرشن چندر اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "عصمت کے افسانے گویا عورت کے دل کی طرح پر پیچ اور دشوار گزار نظر آتے ہیں۔ میں شاعری نہیں کر رہا اور اگر اس بات میں کوئی شاعری ہے تو اسی حد تک جہاں تک شاعری کو سچی بات میں دخل ہوتا ہے۔ مجھے یہ افسانے اس جوہر سے تشابہ معلوم ہوتے ہیں جو عورت میں ہے۔ اس کی روح میں ہے، اس کے دل میں ہے، اس کے ظاہر میں ہے، اس کے باطن میں ہے۔"(1)

افسانہ "چوتھی کا جوڑا" کا شمار ان کے بہترین افسانوں میں ہوتا ہے۔ اس افسانے میں ایک نا آسودہ بیوہ اور اس کی دو بیٹیوں کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ بیوہ جس کا نام بی اماں ہے، سلائی کا کام کرتی ہے۔ اس لیے محلے کی سب لڑکیوں کے چوتھی کے جوڑے بھی وہی سلائی کرتی ہے۔ جبکہ اس کی اپنی بیٹی (کبریٰ) کی شادی کی عمر گزر رہی ہے اس لیے وہ اس کے لیے پریشان ہے۔ کبریٰ کے لیے وہ کئی بار بہت ارمان سے چوتھی کا جوڑا سلائی کرتی ہے، لیکن اس کو پہننا نصیب نہیں ہوتا۔ اسی دوران بی اماں کے بھائی کا بیٹا (راحت) سرکاری ٹریننگ کے سلسلے میں ان کے گھر رہنے آتا ہے۔ تینوں ماں بیٹیاں اس کی خدمت میں خود کو ہلکان کر لیتی ہیں۔ ماں اور منہ بولی خالہ کے کہنے پر کبریٰ بھی راحت سے شادی کے خواب دیکھنے لگتی ہے۔ لیکن راحت کچھ عرصے بعد اپنی شادی کی خبر سنا کر واپس چلا جاتا ہے۔ کبریٰ کے لیے یہ صدمہ جان لیوا ثابت ہوتا ہے اور وہ مر جاتی ہے۔ یوں کبریٰ کے لیے چوتھی کا جوڑا سینے کا ارمان اس کا کفن سلائی کرنے کی صورت میں پورا ہوتا ہے۔ افسانے کے حوالے سے خواجہ احمد عباس لکھتے ہیں:

> "چوتھی کا جوڑا ہمارے سماج کا المیہ ہے۔ نچلے متوسط طبقے کی یہ کہانی ہے جس میں "چوتھی کا جوڑا" ایک نشانی ایک سمبل کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ یہ سمبل ہے ان لڑکیوں کا جو اپنی خاندانی غربت کی وجہ سے بن بیاہی رہ جاتی ہیں۔"(2)

افسانے کا عنوان "چوتھی کا جوڑا" ثقافتی تناظر میں کثیر المعنویت کا حامل ہو جاتا ہے۔ مشرقی تناظر میں عورت کے لیے چوتھی کا جوڑا اس کی عصمت کے تحفظ کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔ عورت اپنی عصمت کو کسی ایک شخص کے لیے بچا کر رکھتی ہے یوں وہ دوسروں کی نظروں سے بچ جاتی ہے اور خود کو محفوظ سمجھتی ہے۔ دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو پدر سری معاشرے میں چوتھی کا جوڑا نصیب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو اڈ کی خواہشات کی تکمیل کا راستہ مل گیا ہے۔ یہ اس کی جبلی ضروریات ہوتی ہیں جنھیں چوتھی کا جوڑا پہننے سے جوڑ دیا گیا ہے۔ یعنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے معاشرے نے کنونشنز بتا دی ہیں۔ تیسری چیز عورت کے اندر نسائیت کا جوہر ہے، جس کی وجہ سے مرد کے ساتھ منسوب ہونا اس کے اندر وقار کے احساس کو جنم دیتا ہے۔ گھر کا احساس ہونا، یا کسی کے ہونے کا احساس ہونا اس کے لیے بہت قیمتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس معاشرے کے اندر رہتے ہوئے وہ شروع سے ہی ماں باپ کے گھر کو اپنا نہیں سمجھتی۔ پھر اس جوڑے کے بعد اسے ایک شناخت اور پہچان مل جاتی ہے۔ سماجی نقطہ نظر سے بھی چوتھی کے جوڑے کا مطلب ہے کہ اسے پسند کر لیا گیا ہے۔ معاشرتی قبولیت کا یہ احساس اس کو اعتماد دیتا ہے۔

چوتھی کا جوڑا محض ایک جوڑا نہیں ہے بلکہ یہ معاشرے کا دباؤ ہے جو اس کے اوپر لاد دیا گیا ہے۔ اسے یہ بتایا گیا ہے کہ اس جوڑے کے پہننے کے ساتھ اس کا سٹیس بدل جائے گا، دوسرے لفظوں میں معاشرے کا اس کے ساتھ رویہ بدل جائے گا۔ یعنی یہ جوڑا اصل میں ایک عورت سے وابستہ معاشرتی توقعات کو پیش کر رہا ہے۔ چنانچہ کبریٰ کے لیے چوتھی کا جوڑا کوڈز اور کنونشنز کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ سب سے بڑی کنونشن یہ ہے کہ یہ کہانی برصغیر کے معاشرے کی کہانی ہے جو کہ پدر سری ہے۔ ایسے معاشرے کی کہانی لکھتے ہوئے اس کے مرکزی کردار کے طور پر ایک عورت کو پیش کرنا بذات خود ایک بغاوت ہے۔ پوری کہانی اسی مرکزی کردار کے گرد گھومتی ہے یہ اس کہانی کا بین السطور مفہوم ہے۔ حالانکہ یہ چیزیں بظاہر ہمیں نظر نہیں آتیں۔ متن ہمیں بتاتا ہے کہ کبریٰ سادگی اور معصومیت کا نمونہ ہے۔ تاہم عورت کی معصومیت کے ساتھ معاشرے کی توقعات جڑی ہوئی ہیں۔

افسانے کا موضوع سماجی، معاشی اور نفسیاتی تمام تناظرات کا احاطہ کرتا ہے۔ سماجی حوالے سے متن معاشرے کے نام نہاد رسم و رواج کو طنز کا نشانہ بناتا ہے۔ جوان لڑکیوں کی شادی کو سماجی قوانین نے پیچیدہ اور مشکل بنا دیا ہے۔ اس کے لیے چوتھی کے جوڑے کو تقدیس کا مظہر بنا دیا گیا ہے۔ اس جوڑے کی تیاری میں کچھ بھی غیر مناسب معاملہ پیش آ جاتا ہے تو طرح طرح کے توہمات کو اس سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔ پھر اس جوڑے کی تیاری کے لیے بھی سماج نے کچھ لغویات کو مخصوص کر دیا ہے۔ مثلاً شادی شدہ عورتیں ہی اس کی تیاری کے وقت وہاں موجود ہوں گی۔ کنواری دوشیزاؤں کو اس محفل میں آنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ سب سے غیر منطقی قدغن یہ لگائی جاتی ہے کہ جس کا جوڑا تیار ہو رہا ہے اسے اس پوری چہل پہل سے دور رکھا جائے۔ افسانے کا ابتدائی حصہ اس پورے ماحول اور فضا کو بیان کر رہا ہے جو چوتھی کا جوڑا تیار کرتے وقت ترتیب پاتی ہے۔

معاشی حوالے سے لڑکیوں کی شادی، خصوصاً ان کے جہیز کے مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ لڑکی کے گھرانے کو معاشی حوالے سے کئی اور طرح کے لوازمات کی بھی پابندی کرنا پڑتی ہے۔مثلاً شادی سے پہلے ہی داماد کی بے جا خدمت کرنا،اس کے لیے اپنی حیثیت سے بڑھ کر قیام و طعام کا انتظام کرنا وغیرہ۔یہ معاشی بوجھ بھی سماج نے ہی ان پر مسلط کر رکھا ہے۔یہ ترقی پسندانہ نقطہ نظر بھی ہے۔اگر کبریٰ خود اذیتی کا شکار ہو کر اپنے جائز حقوق کو حاصل کرنا چاہ رہی ہے تو یہ اس کا استحصال ہے۔اس طرح وہ بیوی کی بجائے خادمہ تو بن جائے گی لیکن جس عزت اور وقار کے ساتھ اس کو بیوی کا سٹیٹس ملنا چاہیے تھا وہ نہیں ملے گا۔

موضوع کی تیسری پرت افسانے کا نفسیاتی حوالہ ہے۔نفسیاتی حوالے سے افسانے کے سب کردار اپنے اپنے رول میں نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہیں۔بی اماں بیٹی کی ذمہ داری ادا نہ ہونے کی وجہ سے ذہنی دباؤ کا شکار ہیں۔وہ ہر ممکن طریقے سے کبریٰ کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتی ہیں۔اس نفسیاتی و ذہنی دباؤ کی وجہ سے وہ چھوٹی بیٹی کی عصمت کو بھی داؤ پر لگانے کو تیار ہیں۔دوسری طرف کبریٰ مچھروں کی کوٹھری میں بیٹھ کر خود اذیتی کا شکار ہے۔سماجی دباؤ نے اس کی شخصیت کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے اور وہ مکمل طور پر سپر ایگو کے ماتحت ہو چکی ہے۔اپنی جسمانی صحت کا خیال رکھنے پہ اس کا کوئی دھیان نہیں ہے اور وہ راحت کی خدمت گزاری میں خود کو ہلکان کرتی رہتی ہے۔

> "وہ اس کے بدبودار چوہوں جیسے سڑے ہوئے موزے دھوتیں،بساندی
> بُنیان اور ناک سے لتھڑے ہوئے رومال صاف کرتیں۔اُس کے تیل میں
> چپچپاتے ہوئے تکئے کے غلاف پر SWEET DREAM کاڑھتیں۔پر
> معاملہ چاروں کونے چوکس نہیں بیٹھ رہا تھا۔"(3)

یہ افسانہ اپنے دور کی ادبی تخلیقی فکر کا رد بھی ہے۔جس زمانے میں یہ افسانہ لکھا گیا وہ برصغیر میں مغربی تسلط کا زمانہ تھا۔ایسے میں برصغیر کے اہلِ علم طبقے میں نئے علوم کو جاننے اور سیکھنے کا رجحان پیدا ہو رہا۔تاہم مسلمانوں کے دانشور طبقے کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اس جدید تعلیم کی لہر ان کے سماجی نظام کا شیرازہ بکھیر دے گی۔جدید تعلیم کی روشنی ان کی آنکھوں کو خیرہ اور ذہنوں کو تاریک کر دے گی۔اس متعصب ذہنیت کی وجہ یہ تھی کہ وہ جدید تعلیم کو مغربی کلچر سے الگ نہیں دیکھتے تھے ان کا خیال تھا کہ جدید تعلیم حاصل کرنے کے بعد ان کے بچے اور خصوصاً بچیاں بے راہ روی کا شکار ہو جائیں گی۔چنانچہ انہوں نے مغربی تعلیم کے خلاف ایک ادبی اور علمی مہم چلائی۔جو دانشور کھل کر جدید تعلیم کی مخالفت نہیں کر رہے تھے وہ دبی زبان میں عورتوں کی تعلیم کو ایک خاص حد تک محدود رکھنے کی بات کر رہے تھے۔ان شخصیات میں انیسویں صدی کے مسلم دانشور بھی تھے جو کھلے عام یا ڈھکے چھپے طور پر تعلیم نسواں پر اپنے تحفظات کا اظہار کر رہے تھے جن میں سر سید احمد خاں، علامہ اقبال اور اکبر الہ آبادی کا نام بھی سامنے آتا ہے جن کے ہاں عورتوں کی رسمی تعلیم کے حوالے سے کسی مثبت یا تائیدی رائے کا اظہار نہیں ملتا۔

سر سید احمد خاں اس زمانے کے سب سے بڑے ماہرِ تعلیم تھے۔ جنھوں نے مسلم کالج علی گڑھ کی بنیاد رکھی جو بعد میں علی گڑھ یونیورسٹی بن گیا۔ تاہم وہ بھی تعلیم نسواں یعنی مسلم عورتوں میں جدید تعلیم کے حامی نہیں تھے۔ وہ صرف مسلم مردوں میں جدید تعلیم اور سائنٹفک مزاج کے فروغ کے حامی تھے۔ اس لیے وہ ہر ایسی سوچ کو جو عورتوں کی تعلیم یا ان کے لیے مدارس کھولنے کے حق میں ہو کوتاہ اندیشی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس زمانے میں تعلیمِ نسواں کے مخالف دوسرا رویہ اکبر الہ آبادی کے ہاں نظر آتا ہے۔ وہ تو یہاں تک کہتے نظر آتے ہیں:

"حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی

اب ہے شمعِ انجمن پہلے چراغِ خانہ تھی

بے پردہ نظر آئیں جو کل چند بیبیاں

اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا"(4)

اکبر الہ آبادی کے خیال میں ہر تعلیم یافتہ عورت بے راہ روی کا شکار ہو جاتی ہے، اس لیے وہ عورتوں کی گھر سے باہر تعلیم کے حق میں نہیں تھے۔ اسی دور میں اقبال کا تانیثی نقطہ نظر بھی سامنے آتا ہے۔

"جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن

کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت

بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسہ زن

ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت"(5)

اس سارے فکری تناظر کو ذہن میں رکھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ مصنفہ نے اس کہانی کے ذریعے معاصر فکر کی ردِ تشکیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاہم وہ ایک پدر سری معاشرے میں عورت کی بے بسی کو توڑ نہیں پائیں۔ یہ چیز معاشرتی ڈھانچے کی جبریت کو بیان کر رہی ہے۔ کبریٰ بظاہر ان مہابیانیوں کے خلاف ہے، وہ کہیں بھی ان بیانیوں کا ساتھ دیتی نظر نہیں آتی۔ لیکن معاشرتی دباؤ کی وجہ سے وہ مزاحمت کرنے سے بھی قاصر ہے چنانچہ کرداری صورت میں یہ مزاحمت نظر نہیں آتی۔

ڈپٹی نذیر احمد کے ہاں بھی تانیثی مخالف رویے کا اظہار ملتا ہے۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں جس عورت کا تصور پیش کیا ہے وہ گھریلو عورت ہے جو مرد کی اجارہ داری کو قبول کرنے والی ہو۔ یہ کہانی بنیادی طور پر اِس ادبی تانیثی فکر پر بھی طنز ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے ہاں اصغری اور اکبری کے کردار اسی تضاد کو سامنے رکھ کر تخلیق کیے گئے ہیں۔ عصمت چغتائی

نے عورت کے اس روایتی تصور کو چیلنج کیا ہے۔ اس افسانے کو ناول مراۃ العروس کے بیانیے کی ردِ تشکیل بھی کہا جا سکتا ہے۔ دونوں کے عنوانات میں بھی علامتی مشابہت ہے۔ مراۃ العروس کے معنی دلہن کا آئینہ ہے جبکہ چوتھی کا جوڑا سے مراد دلہن کا عروسی جوڑا ہے۔

ناول "مراۃ العروس" میں بڑی بہن اکبری بہت پھوہڑ ہے اور چھوٹی بہن گھریلو، سگھڑ اور معاملہ فہم ہے۔ جبکہ اس افسانے میں کرداروں کی یہ بائنری الٹ دی گئی ہے۔ یہاں کبریٰ (بڑی بہن) سب کام کرتی ہے لیکن وہ اچھی نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں حمیدہ (چھوٹی بہن) کو باشعور کردار کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ حمیدہ صورت حال کو بالغ نظری سے جانچ رہی ہے۔ اسے سب سے پہلے اپنی ماں اور بہن کے اس رویے پر اعتراض ہوتا ہے کہ راحت کو اتنی اہمیت کیوں دی جائے۔ پھر آپا کے بُنے ہوئے سویٹر کو وہ راحت کو دینے پر مزاحمت کرتی ہے۔ اسے اس بات کا احساس ہے کہ اس سویٹر پر آپا نے اپنا اتنا وقت اور محنت صرف کی ہے تو یہ انھیں خود پہننا چاہیے۔ اسی طرح وہ راحت کی بدنیتی کو بہت شروع میں ہی پہچان جاتی ہے۔ اس لیے وہ اس کو کھانا دینے یا دیگر معاملات میں اس سے رابطہ رکھنے سے کتراتی ہے۔

> "پٹی کے نیچے رکھے ہوئے لوٹے سے ہاتھ دھوتے وقت راحت نے میری
> طرف سر سے پاؤں تک دیکھا تو میں سرپٹ بھاگی وہاں سے۔ میرا دل دھک
> دھک کرنے لگا۔ "اللہ توبہ! کیا خناس آنکھیں ہیں کمبخت کی۔"(6)

چونکہ یہ افسانہ روایتی ثقافتی اقدار کو نہیں توڑتا، اس لیے اس میں معاشرتی جبریت کا پہلو غالب ہے۔ یہ جبر اخلاقی پیرائے میں ہو رہا ہے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ معاشرتی اجارہ دار نصیحت کر رہے ہیں لیکن در حقیقت یہ معاشرتی جبر ہے۔۔ ایسی ہی ایک مثال افسانہ پرمیشر سنگھ ہے جس کا کردار پرمیشر مذہبی بالادستی کے مہابیانیے کو توڑنے میں ناکام رہتا ہے۔ متن میں مرد کی اجارہ داری کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ ایسا شخص جو مرد ہے اور ان کا متوقع داماد ہے اس کے ساتھ دیوتاؤں جیسا سلوک کیا جا رہا ہے۔ اس گھر کی سب خواتین اپنے وسائل سے بڑھ کر اس کے لیے اہتمام کرتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ برِ صغیر کے سماج میں عورت کے ذہن میں مرد کے مقابل جو تصور پیش کیا گیا ہے وہ اتنا راسخ ہے کہ اس کے ذہن سے نکلتا ہی نہیں۔ وہ انفرادی شناخت کی بجائے ایک مرد کے ساتھ اپنی شناخت کو جوڑ دیتی ہے۔ متن سے بھی اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ کبریٰ کی ماں کے ذہن میں یہ تصور راسخ ہے کہ کبریٰ کی شناخت کسی مرد کے حوالے کے بغیر نامکمل ہے۔ متن ہمارے معاشرتی قواعد و ضوابط کو نہ صرف بے نقاب کرتا ہے بلکہ ان کو چیلنج بھی کرتا ہے۔ انفرادی شناخت میں اس کا اور ثقافتی اقدار کا جو تضاد ہے اس میں سماجی توقعات حاوی ہو جاتی ہیں۔ اس کے پاس سماجی توقعات کا بوجھ ہے۔ یہ بات خود عورت کے لیے بہت بڑا سوال ہے کہ نسائی فعالیت کی شناخت کیا ہو گی؟ کیا اس کی انفرادی شناخت بھی ہے یا کسی مرد کے ساتھ وابستگی کے بعد ہی اس کی شناخت قائم ہو سکتی ہے؟ اور پھر مرد سے وابستگی کے بعد بھی کیا اس کی شناخت گھرداری ہی ہو گی؟ کیا اس طرح وہ معاشرتی قبولیت حاصل کر پائے گی؟ متن ان سب مسائل کو نشان زد کرتا ہے۔

افسانے کا مرکزی کردار کبریٰ ہے۔ اگرچہ اس کردار کا کوئی توضیحی مکالمہ یا بیانیہ تو سامنے نہیں آیا تاہم جتنا بھی اس کے کردار کو پیش کیا گیا ہے اس میں سوسائٹی کی بتائی گئی مزاحمت ہے۔ اسے خود اپنے کردار کی انفرادیت کو قائم کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ معاشرہ اسے بتا رہا ہے کہ تمہارا کردار ایسا ہونا چاہیے۔ یعنی پورا معاشرہ اس کے رول کو واضح کرنے میں لگا ہوا ہے۔ وہ معاشرتی توقعات سے متصادم ہوتی نظر آتی ہے۔ فکشن میں مرکزی کردار کا یہ تقاضا ہے کہ وہ باقی کرداروں سے زیادہ متحرک ہونا چاہیے۔ اس کا فہم اور عمل باقی کرداروں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے لیکن اس کردار میں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ دوسرا اہم کردار حمیدہ کا ہے جو کہ اس افسانے کی راوی بھی ہے۔ یہ اس افسانے کا سب سے مربوط کردار ہے۔ تاہم اس کا مسلہ یہ ہے کہ وہ آپا کی چھوٹی بہن ہے۔ اس لیے اسے آپا سے ہمدردی بھی ہے اور کہیں نہ کہیں وہ بھی اس معاشرتی دباؤ کو محسوس کر رہی ہے جس کا سامنا آپا کو ہے۔ اسے اس بات کا احساس دلایا جاتا ہے کہ وہ آپا کی شادی کرانے میں اپنا فعال کردار ادا نہیں کر رہی۔

> "اے ہے تو تو بڑی ٹھس ہے، اے ہم تو اپنے بہنوئیوں کا خدا کی قسم ناک میں دم کر دیا کرتے تھے۔ منہ بولی بہن بولیں" اور وہ مجھے بہنوئیوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے کے ہتھکنڈے بتانے لگیں کہ کس طرح انھوں نے چھیڑ چھاڑ کے تیر بہدف نسخے سے میری ان دو بہنوں کی شادی کرائی تھی۔"(7)

فکشن کے کردار کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ اس کا عمل اس کو متحرک بناتا ہے، صرف اس کا نام اور اس نام کی خصوصیات اس کو فعال نہیں بنا سکتیں۔ مصنفہ نے کرداروں کو صفاتی نام دیے ہیں لیکن وہ اس کے متضاد کام کر رہے ہیں۔ چوتھی کے جوڑے کا ذکر بار بار ہو رہا ہے، لیکن کبریٰ کو نصیب نہیں ہوتا۔ راحت کے معنی آرام اور سکون کے ہیں لیکن اس کردار سے صفات کا اظہار نہیں ہوتا۔ حمیدہ کے معنی اچھے، نیک اوصاف ہیں، لیکن متن یہ اوصاف کبریٰ کے کردار میں دکھا رہا ہے۔ کبریٰ کے معنی بڑی کے ہیں۔ یوں اس کردار کی بڑائی یا اس کا رعب و دبدبہ دکھائی دینا چاہیے تھا لیکن اس کردار کی شخصیت میں ایسا کوئی اظہار نہیں ملتا۔ کبریٰ روایات کی علمبردار ہے جبکہ باقی کردار ان روایات کی پاسداری کو نہیں دیکھتے۔ یہ روایات اس کی خواہشات کی عدم تسکین کی بڑی وجہ ہیں۔ چھوٹی بہن تھوڑی جدت پسند ہے۔ یہ روایت پسندی پر بھی طنز ہے۔ چھوٹی کا وژن بڑا ہے، مشاہدہ بھی زیادہ ہے اور وہ سمجھدار ہے۔ آپا کو وہ سب چیزیں نظر نہیں آ رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حمیدہ آپا کی سادگی اور شرافت پر خود بھی کُڑھ رہی ہے اور آپا کے سامنے بھی وہ اس بات کا اظہار بار بار کرتی ہے۔

افسانے میں جو بائنریز سامنے آتی ہیں ان میں سب سے پہلی پاکیزگی اور عدم پاکیزگی کی بائنری ہے۔ اگر اس جوڑے کے ساتھ معاشرتی معیارات کو منسلک کر دیا جائے تو وہ مقدس ہے اور اس کے بغیر اس کو پاکیزگی کے دائرے سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ معاشرتی معیارات انسان کو جبریت سے دوچار کرتے ہیں۔ متن بتاتا ہے کہ کبریٰ خود کو ان معیارات

کے مطابق ڈھالتے ڈھالتے جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔ دوسری طرف اس کی بہن بھی ان معاشرتی توقعات کو پورا کرنے میں اس کی سہولت کار بنتی ہے۔ تاہم اس فریضے کی ادائیگی میں اس کی اپنی پاکیزگی بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

دوسری بائنری آزادی اور گھٹن کی ہے۔ وہ کردار توقعات کا پابند ہے، آزاد نہیں ہے۔ متن جس معاشرے کو ہمارے سامنے بیان کر رہا ہے وہ انسان کو اپنی مرضی سے اپنی خواہشات کی تکمیل کی اجازت نہیں دیتا۔ اگرچہ رفاقت کا حصول ایک فطری تقاضا ہے تاہم کبریٰ کے لیے اس رفاقت کا حصول جاں گسل بن جاتا ہے۔

افسانے میں تیسری بائنری انفرادی خواہشات اور معاشرتی توقعات کی ہے۔ متن سے ان سب کرداروں کی انفرادی توقعات کا اظہار کم ہی ہوتا ہے۔ اس کی بجائے وہ معاشرتی توقعات کے سامنے بے بس ہیں۔ بی اماں کی انفرادی خواہش معاشی آسودگی کا حصول ہونی چاہیے لیکن ان کی اس خواہش کا اظہار متن میں کہیں نہیں ہوتا۔ اس کی بجائے وہ معاشرتی توقعات پر پورا اترنے کے لیے اپنی ساری کمائی راحت پر صرف کر دیتی ہے۔ اسی طرح کبریٰ کو اپنی عمر کے مطابق بننے سنورنے اور اپنے آپ پر توجہ دینی چاہیے تھی تاہم وہ اپنی سُپر ایگو کے ہاتھوں مجبور ہو کر خود کو گھلانے میں لگی ہوئی ہے۔ حمیدہ کی عمر بے فکری اور شوخیوں شرارتوں کی ہے لیکن اسے سماجی جبر کسی اور طرف دھکیل رہا ہے۔ وہ اپنی بہن کی شادی میں سہولت کار بننے کی باریکیاں سیکھ رہی ہے۔

افسانے میں چوتھی بائنری زبان اور معنی کی ہے۔ عصمت چغتائی نے اس افسانے کے اندر لفظوں کے روایتی معنی کو الٹ دیا ہے۔ اسموں کے ساتھ ان کی خصوصیات کے متصادم نفی کو لگا دیا ہے۔ زبان کے روایتی معنی کو ختم کر دیا ہے۔ لہٰذا اس میں لطیف طنز ہے۔ سب سے اہم چوتھی کا جوڑا ہے جو کہ بار بار گھوم کر آتا ہے۔ جوڑا ایک طرف کلچرل کنونشن کو ظاہر کرتا ہے لیکن عصمت نے اس کو الٹ دیا ہے اور اس کو ایک بوجھ کے طور پر پیش کیا ہے۔ حالانکہ وہ اس کے لیے خوشی کا باعث ہونا چاہیے تھا۔ اس کو پہننے کے لیے اسے محنت کرنا پڑ رہی ہے۔ چنانچہ اس کی محنت بڑھ گئی ہے۔

افسانے میں مابعد جدید تکنیکوں کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔ مابعد جدیدیت میں مسلے کو نشان زد تو کر دیا جاتا ہے لیکن اس کا کوئی حل نہیں بتایا جاتا۔ نتیجہ قاری کے اوپر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ایسا متن کثیر المعنویت کا حامل متن کہلاتا ہے۔ اس افسانے کا متن ہمیں بیوہ عورت کے معاشی مسائل اور اس کی مجبوریوں کے بارے میں بتاتا ہے۔ علاوہ ازیں پدر سری معاشرے میں عورت کی بے بسی اور غریب گھرانوں کی جوان لڑکیوں کی شادی کے اسباب کی عدم دستیابی جیسے مسائل کو بھی سامنے لاتا ہے۔ تاہم ان مسائل کے حل کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا گیا۔ اس لیے اس متن کو قاری اساس متن بھی کہا جا سکتا ہے۔ افسانہ ''چوتھی کا جوڑا'' صرف ایک کہانی کے طور پر ہی سامنے نہیں آتا بلکہ معاشرتی جبر، خواہشات کی عدم تکمیل اور روایتی سوچ کے بوجھ تلے دبے انسانوں کی ایک کڑوی حقیقت بن کر سامنے آتا ہے۔ متن مسئلے کی نشاندہی تو کر دیتا ہے مگر اس کا حل قاری کے ذہن پر چھوڑ کر اسے سوچنے پر مجبور کرتا کہ کبریٰ جیسی بے شمار عورتیں آج بھی اس معاشرے میں 'چوتھی کا جوڑا' نصیب ہونے پر گھل رہی ہیں۔ اس افسانے کا اختتام دراصل کوئی اختتام نہیں بلکہ ایک سوال ہے جو ہر قاری سے پوچھا گیا ہے کہ اس گھٹن اور بے بسی کا مداوا کب ہو گا؟

یوں افسانہ اختتام پر قاری کو ایک اہم کردار سونپ دیتا ہے۔ کبریٰ کا انجام، راحت کا سکون، حمیدہ کی جدت پسندی اور بی اماں کی معاشی جدوجہد، یہ سب معاشرتی ناہمواریوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ 'چوتھی کا جوڑا' دراصل ایک آئینہ ہے جو ہمیں اپنے ہی معاشرتی تضادات کو دکھاتا ہے جب میں کبریٰ کی زندگی کا سفر 'چوتھی کے جوڑے' کی ادھوری خواہش کی طرح ایک نہ ختم ہونے سوال میں ڈھل جاتا ہے۔ الفاظ کے روایتی معانی کی طرح، زندگی کی حقیقت بھی الٹ پلٹ ہو جاتی ہے۔ راحت کے نام میں سکون نہیں، حمیدہ کی معصومیت میں پختگی ہے اور کبریٰ کی بڑائی میں بے بسی چھپی ہوئی ہے۔ مجموعی طور پر افسانہ ایک ایسا کثیر المعنویت کا حامل متن ہے جہاں مصنفہ نے مسئلے کو نشان زد تو کیا ہے، مگر اس کا حال قارئین کے تخیل اور معاشرتی بصیرت پر چھوڑ دیا ہے جہاں 'چوتھی کا جوڑا' صرف ایک لباس نہیں بلکہ ان تمام خواہشات اور جبر کی علامت ہے جو کبھی پوری نہیں پاتیں۔

حوالہ جات

1۔ جمیل اختر، مرتب: عصمت چغتائی نقد کی کسوٹی پر، نئی دہلی: انٹر نیشنل اردو فاؤنڈیشن، 2001ء، ص: 264

2۔ خواجہ احمد عباس، چوتھی کا جوڑا: ایک تجزیہ، مشمولہ "عصمت چغتائی نقد کی کسوٹی پر، مرتبہ: جمیل اختر, نئی دہلی: انٹر نیشنل اردو فاؤنڈیشن، 2001ء، ص: 351۔

3۔ عصمت چغتائی، عصمت چغتائی کے انمول افسانے, لاہور: عبد اللہ اکیڈمی، 2010ء، ص: 576

4۔ عبد الجلیل (مرتب)۔ روحِ اکبر نگلور: سنٹرل پبلشنگ ہاؤس، 1947ء، ص: 21

5۔ محمد اقبال۔ کلیات اقبال دہلی: کتابی دنیا، 2001ء، ص: 732

6۔ ایضاً، ص: 578

7۔ ایضاً، ص: 581

Refrences:

1. Akhtar, Jameel (Ed.). Ismat Chughtai Naqd ki Kasauti Par. New Delhi: International Urdu Foundation, 2001, p. 264.

2. Abbas, Khwaja Ahmad. "Chouthi Ka Jora: Ek Tajziya." In Ismat Chughtai Naqd ki Kasauti Par, edited by Jameel Akhtar. New Delhi: International Urdu Foundation, 2001, p. 351.
3. Chughtai, Ismat. Ismat Chughtai ke Anmol Afsanay. Lahore: Abdullah Academy, 2010, p. 576.
4. Abdul Jaleel (Ed.). Rooh-e-Akbar. Bangalore: Central Publishing House, 1947, p. 21.
5. Iqbal, Muhammad. Kulliyat-e-Iqbal. Delhi: Kitabi Dunya, 2001, p. 732.
6. Ibid., p. 578.
7. Ibid., p. 581.

Bibliography:

Abbas, Khwaja Ahmad. "Chouthi Ka Jora: Ek Tajziya." In *Ismat Chughtai Naqd ki Kasauti Par*, edited by Jameel Akhtar. New Delhi: International Urdu Foundation, 2001.

Abdul Jaleel, ed. *Rooh-e-Akbar*. Bangalore: Central Publishing House, 1947.

Akhtar, Jameel, ed. *Ismat Chughtai Naqd ki Kasauti Par*. New Delhi: International Urdu Foundation, 2001.

Chughtai, Ismat. *Ismat Chughtai ke Anmol Afsanay*. Lahore: Abdullah Academy, 2010.

Iqbal, Muhammad. *Kulliyat-e-Iqbal*. Delhi: Kitabi Dunya, 2001.